موضوع

اور

ضعیف حدیثوں کا چلن

مولانا شمس پیرزادہؒ

ناشر:

اِدارہ دَعوَۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳ ☆ فون: ۲۳۴۶۵۰۰۵

گیارہواں ایڈیشن: ۴۰۰۰ قیمت: ۹/روپئے

اکتوبر ۲۰۰۶ء

فہرست

صفحہ نمبر	
۳	عرض ناشر
۴	پیش لفظ
۵	اللہ اور رسول کے نام سے جھوٹی باتیں پیش کرنا۔
۶	حدیثیں کون لوگ گڑھتے رہے۔
۸	موضوع حدیث کی مثالیں
۱۸	ضعیف حدیث
۲۱	ضعیف حدیث کی مثالیں
۲۶	موضوع اور ضعیف حدیثوں پر کتابیں
۲۷	امت مسلمہ کی ذمہ داری

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

اکثر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ صحیح احادیث تو کیا، قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا کلام اور کتاب ہدایت ہے، اس کو بھی پس پشت ڈال کر موضوع اور ضعیف حدیثوں کے ذریعہ دین کا علم حاصل کرنے اور پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں کے سلسلہ میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹ گڑھنے والوں کو جہنم کے نچلے طبقہ میں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈنے کی ''خوشخبری'' سنائی گئی ہے۔

اس کے باوجود لوگوں کو موضوع اور ضعیف حدیثوں سے خاصی رغبت سی پیدا ہو گئی ہے۔ اس پر ضرب کاری لگانے کے لئے مولانا شمس پیرزادہؒ نے یہ چھوٹا سا کتابچہ ''موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن'' مرتب فرما کر دین کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ اللہ رب العزت کے فضل سے اب تک اس کتابچے کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ گجراتی، ہندی، اور انگریزی میں بھی یہ کتابچہ شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا مرحوم کو جزائے خیر سے نوازے۔

ادارہ ''دعوۃ القرآن'' نے اوّل روز ہی سے قرآن فہمی کی مہم شروع کی۔ لہٰذا تفسیر ''دعوۃ القرآن'' جس کے مؤلف بھی مولانا شمس پیرزادہؒ ہیں، پانچ زبانوں اردو، مراٹھی، گجراتی، ہندی اور انگریزی میں شائع ہو رہی ہے۔ اردو تفسیر کو دو جلدوں میں لایا گیا ہے۔ انشاء اللہ اسی طرح دیگر زبانوں میں بھی دو دو جلدیں ہوں گی۔

ادارہ نے قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کو لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث کے دو مجموعے ''تنویر الحدیث'' اور جواہر الحدیث'' مرحوم کی محنت شاقہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ سمیع وبصیر سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن اور صحیح احادیث سے دین کا علم حاصل کرنے، اس پر چلنے اور اس کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد صدیق قریشی

سکریٹری

ادارہ دعوۃ القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ مقالہ ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا، جو ماہنامہ ''نشاۃ ثانیہ'' بمبئی کے دسمبر ۱۹۸۶ء اور مارچ ۱۹۸۷ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اب اس کو عام افادیت کے پیش نظر ترمیم واضافہ کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

موضوع اور ضعیف حدیثوں کے چلن نے حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے۔ کتنی بدعتیں ہیں جو اسی راہ سے دین میں داخل ہوئی ہیں، کتنے فرقے ہیں جنہوں نے ایسی ہی حدیثوں کا سہارا لیا ہے اور کتنا بڑا تعطل ہے جو ان روایتوں کی وجہ سے ملت کے اندر پیدا ہو گیا۔

ع یہ امت روایات میں کھوگئی

الم غلم روایتوں کو بیان کرنے میں نہ واعظوں کو تامل ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں کو جن پر علم دین کو پھیلانے کی ذمہ داری تھی۔ بہت کم لوگ ہیں جو حدیث کے معاملہ میں محتاط رویہ اختیار کئے ہوے ہیں۔ عام حال یہی ہے کہ حدیث کے نام سے مختلف کتابوں میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، اس کو وہ ارشاداتِ رسول ہی سمجھتے ہیں۔ خواہ کوئی حدیث اسناد کے لحاظ سے کتنی ہی کمزور یا گڑھی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔

اگر حدیث کے معاملہ میں یہ سہل انگاری گوارا کی جاسکتی ہے، تو پھر محدثین نے حدیثوں کی تحقیق میں جو محنت شاقہ برداشت کی اور فن حدیث کی تشکیل کر کے جو عظیم کارنامہ انجام دیا، وہ سب غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگر ضعیف حدیثیں بھی حجت ہیں تو پھر صحیح اور ضعیف کی بحث کا حاصل کیا؟ اور دونوں میں کس لئے فرق کیا جائے؟

خدا کرے اس پمفلٹ کے مطالعہ سے حدیث کے بارے میں صحیح مؤقف اختیار کرنے میں مدد ملے۔

شمس پیرزادہؒ

بمبئی ۲؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

۲۶؍ اکتوبر ۱۹۸۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث رسول کا تعلق دین اور اس کی تعلیمات سے ہے۔ اس لئے جو بات بھی حدیث کے نام سے پیش کی جائے گی، وہ دین کا ایک جزء قرار پائے گی۔ بالفاظ دیگر اس کے ذریعہ اس بات کا تعین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ یہ واضح فرمادیا ہے کہ اسے یہ بات پسند ہے اور یہ نا پسند، یا فلاں کام پر وہ یہ اور یہ اجر، اور فلاں حرکت پر وہ یہ اور یہ سزا دینے والا ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ اگر واقعی اُس حدیث کی نسبت جو بیان کی جائے صحیح ہے، تو وہ دین کی تعلیمات میں شامل سمجھی جائے گی، جس کے بعد کسی مسلمان کے لئے چوں وچرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس پر واجب ہے کہ رسول کے ہر قول کو قبول کرے اور اس کی سنت کی پیروی کرے۔ حدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر سلف صالحین، حدیث قبول کرنے کے معاملہ میں محتاط رہتے تھے اور غیر معتبر روایتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مشہور تابعی ابن سیرین فرماتے ہیں:

''حدیث دین ہے، لہٰذا دیکھو کہ تم دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ خطیب بغدادی ص ۱۶۲)

اللہ اور رسول کے نام سے جھوٹی باتیں پیش کرنا:

لیکن اگر کوئی حدیث فی الواقع رسول کا قول یا فعل نہیں ہے، تو وہ ایک جھوٹ ہے، جو رسول کی طرف اور درحقیقت اللہ کی طرف منسوب کر کے دین میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ اللہ پر افترا پردازی ہے، جس پر قرآن میں سخت وعید سنائی گئی ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام ۱۴۴)

''اس شخص سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے۔''

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ؕ (یونس ۵۹)

''کہو اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہو۔''

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (یونس ۶۰)

''جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں انہوں نے قیامت کے دن کے بارے میں کیا سمجھ رکھا ہے۔''

اسی طرح نبی ﷺ نے بھی ان لوگوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے، جو آپ کی طرف جھوٹ منسوب کریں۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری)

''جس نے میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيْثًا وَّهُوَ يَرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ (مسلم)

''جس نے میری طرف سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔''

حدیثیں کون لوگ گڑھتے رہے:

اس وعید اور تنبیہ کے باوجود بہ کثرت حدیثیں گڑھ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کردی گئیں۔ ایسی حدیثوں کو ''موضوع'' یعنی گڑھی ہوئی کہا جاتا ہے۔ ان کو گڑھنے والے بدنیت لوگ بھی رہے ہیں اور ''نیک نیت'' لوگ بھی۔ چنانچہ دین کے دشمنوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھکر امت کے اندر فتنہ پیدا کرنے کے لئے حدیثیں گڑھیں، سلاطین کو خوش کرنے کے لئے بھی نبی ﷺ پر جھوٹ بولا جاتا رہا اور ترغیب وترھیب یعنی اچھے عمل کی رغبت دلانے اور گناہوں سے ڈرانے کے لئے بھی حدیثیں وضع کی گئیں۔ نیک نیتی کے ساتھ حدیثیں گڑھنے کا یہ کام بعض زاہدوں اور

صوفیوں کے ذریعہ بھی انجام پایا۔

بعض فتنہ پردازوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا تھا کہ انہوں نے حدیثیں گڑھی ہیں۔ مثال کے طور پر مہدی عباسی کے عہد خلافت میں عبدالکریم بن ابی العرجاء کو قتل کیلئے لایا گیا، تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔ ایک شخص ابوعصمہ نوح بن ابی مریم تھا، جس نے قرآن کی ہر سورہ کی فضیلت میں حدیثیں گڑھیں اور بعد میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کی دلچسپی، ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی سے بڑھ گئی ہے اور قرآن کی طرف سے توجہ ہٹتی جارہی ہے، تو میں نے کارثواب سمجھ کر یہ حدیثیں گڑھ لیں۔ (کتاب الموضوعات۔ ابن جوزی ص ۱۴)

وہب بن منبہ جو یہودی تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، فضائل اعمال کے بارے میں حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ (مقدمہ از عبدالرحمٰن بن عثمان بر کتاب ''الموضوعات'' ص ۸)

ابو داؤد نخعی نہایت عبادت گذار تھے۔ رات میں طویل قیام کرتے اور دن میں اکثر روزہ رکھتے، ساتھ ہی حدیثیں گڑھنے کا کام بھی کرتے۔ (کتاب الموضوعات ص ۴۱)

غلام خلیل سے جب ان حدیثوں کے بارے میں پوچھا گیا جو رقائق کے باب میں وہ بیان کرتے ہیں تو کہنے لگے، ہم نے یہ حدیثیں اس لئے گڑھ لی ہیں تاکہ عوام کے دلوں میں رقت پیدا کریں۔ (ایضاً ص۔ ۴)

قصہ گو حضرات لوگوں کو رلانے اور اپنی مجلسوں کی رونق بڑھانے کے لئے جھوٹے قصے نبی ﷺ کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے تھے۔ عراق میں تو گویا ٹکسال تھی، جہاں حدیث کے کھوٹے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ شیعہ اس معاملہ میں پیش پیش رہے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی فرماتے ہیں:

''واضعین نے سب سے پہلے شخصیتوں کی فضیلت میں حدیثیں گڑھنا شروع کیں۔ انہوں

نے اپنے اماموں اور اپنے فرقوں کے سربراہوں کی برتری کو ثابت کرنے کے لئے بہ کثرت حدیثیں وضع کیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے شیعوں کے مختلف گروہوں نے انجام دیا''۔ چنانچہ ابن ابی حدید ''شرح نہج البلاغہ'' میں فرماتے ہیں: ''معلوم ہوجانا چاہئے کہ فضائل کی حدیثوں میں اصل جھوٹ شیعوں ہی کی طرف سے آیا۔ اور اس کے مقابلہ میں اہل سنت کے جاہلوں نے بھی حدیثیں گڑھ لیں۔'' (السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص ۷۵)

رافضیوں نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل میں ہزاروں حدیثیں گڑھیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ہوا پرستوں میں رافضیوں سے زیادہ جھوٹی گواہی دینے والا کوئی گروہ نہیں دیکھا۔

موضوع حدیث کی مثالیں:

یہاں ہم موضوع حدیث کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ لوگوں میں حدیث کے نام سے کتنی غلط باتیں مشہور ہوگئی ہیں۔ اور عوام تو عوام بعض مرتبہ عالموں کی زبان سے بھی یہ حدیثیں سننے میں آتی ہیں:

۱۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَان ''وطن کی محبت ایمان کا جزء ہے۔''

اس کی کوئی اصل نہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں جب وطن پرستی کو فروغ ہوا تو لیڈر ہی نہیں، بعض علماء بھی اس کو حدیثِ نبوی کی حیثیت سے پیش کرنے لگے، حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ وطن کی محبت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا تعلق ایمان سے ہو۔ انسان اپنے گھر سے بھی محبت کرتا ہے اور اپنے پالے ہوئے جانوروں سے بھی۔ لیکن یہ ایمان کا کوئی جزء نہیں ہے کیونکہ اس محبت میں مؤمن کافر سب برابر ہیں۔ اور دین کی خاطر تو نبی ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی، حالانکہ یہ سب سے زیادہ مقدس سرزمین تھی اور یہ آپ کا وطن تھا۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اسے موضوع قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ صنعانی (ص ۷) وغیرہ نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱ ص ۵۵)

۲۔ اَنَامَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔''

اس کی اسناد پر ابن جوزی نے تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راویوں میں ابو الصلت ھروی ہے جو جھوٹا تھا۔ اور اسی نے یہ حدیث گڑھی ہے، پھر دوسرے راویوں نے اس کا سرقہ کر کے بیان کی ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۳۵۰ تا ۳۵۵)

شیخ اسمٰعیل العجلونی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب اور غیر ثابت ہے، جیسا کہ دار قطنی نے العلل میں لکھا ہے اور ترمذی نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ بخاری کہتے ہیں کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ اور خطیب بغدادی نے یحیٰی ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۳)

۳۔ لَوْلَاکَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ ''اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔''

یہ حدیث نبی ﷺ کے شان میں پیش کی جاتی ہے، یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق مقصدِ حق کے لئے ہوئی ہے۔ کسی شخصیت کے لئے پیدا کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ رہی یہ حدیث تو علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ موضوع ہے، جیسا کہ صنعانی نے ''الاحادیث الموضوعۃ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۲۹۹)

۴۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔''

علامہ البانی کہتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور یہ حدیث اپنے معنٰی کے لحاظ سے محقق علماء

کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ ابن حزم نے اسے نہایت فاسد قول قرار دیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۷۶)

قرآن میں اختلاف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

وَلَاتَنَازَعُوْافَتَفْشَلُوْاوتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ (الانفال:۴۶) ''اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔''

اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۵۹) ''اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

معلوم ہوا کہ شریعت نے اختلاف کو مذموم قرار دیا ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ امت کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے اس نے ملت کو زبردست نقصان پہنچایا۔ پھر اس کو رحمت سے کس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ حدیث، حدیث ہی نہیں۔

۵۔ اُطْلُبُوْاالْعِلْمَ وَلَوْبِالصِّیْن ''علم تلاش کرو خواہ چین ہی میں کیوں نہ ہو۔''

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اس کے ایک راوی حسن بن عطیہ کو ابو حاتم رازی نے ضعیف کہا ہے۔ اور دوسرے راوی ابو عاتکہ کو امام بخاری نے منکر کہا ہے۔ اور ابن حبان کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ (کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۲۱۶)

اور علامہ البانی کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۴۱۳)

حدیث کا متن بھی اس کے حدیث رسول ہونے کی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ اصطلاحِ دین میں علم سے مراد علم دین ہے۔ اور علم دین کے سرچشمے کتاب وسنت ہیں جن کا محل مدینۃ الرسول ہے۔ اسے

چھوڑ کر علم دین کی تلاش میں چین جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

۶۔مَنْ وُلِدَلَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّداً تَبَرُّكًا بِهٖ كَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدُهٗ فِی الجنةِ۔ ''جس کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام برکت حاصل کرنے کیلئے محمد رکھا، تو وہ اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔''

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔اور علامہ ابن القیم نے اسے باطل کہا ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ا ص ۲۰۷)

قرآن نے اخروی کامیابی کے لئے ''ایمان اور عمل صالح'' کو ضروری قرار دیا ہے۔اس حدیث میں جنت میں جانے کیلئے ایسا شارٹ کٹ (short cut) تجویز کیا گیا ہے، کہ بچہ کا نام محمد رکھو اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔گویا اللہ کے ہاں کام نہیں دیکھا جائیگا۔ظاہر ہے یہ حدیث کسی بدعتی کی وضع کی ہوئی ہوسکتی ہے۔

۷۔ اَلرِّبَاسَبْعُوْنَ بَا بًا اَصْغَرُهَا عِنْدَاللّٰهِ كَاالَّذِیْ يَنْكِحُ اُمَّهٗ ''سود کی حرمت کے ستر درجے ہیں۔سب سے کم درجہ اللہ کے ہاں یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔''

اس حدیث کو ابن جوزی نے مختلف طریقوں سے نقل کر کے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ ۔(کتاب الموضوعات ج ا ص ۲۴۵)

۸۔ لِكُلِّ نَبِیٍّ وَصِیٌّ وَاِنَّ عَلِیًّا وَصِیِّ وَوَارِثِیْ ''ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔علی میرے وصی اور وارث ہیں۔''

ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث دو طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ایک محمد بن حمید کے واسطہ سے، جن کو ابوزرعہ اور ابن وارہ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔اور دوسرے فریانانی کے واسطہ سے، جس کے بارے میں ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے، جو فی الواقع

ان کی بیان کردہ نہیں ہوتیں، نیز سلسلۂ روایات میں ایک راوی مسلمہ بن فضل ہے، جس کے بارے میں ابن مدینی نے کہا ہے کہ ہم نے اس کی حدیث کو رد کر دیا ہے۔

(کتاب الموضوعات ج ا ص ۳۷۶)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے فضائل اور ان کی امامت وخلافت کے سلسلہ میں شیعوں نے بہت سی حدیثیں وضع کی ہیں، جن میں سے ایک حدیث یہ ہے، جو نمونہ کے طور پر ہم نے پیش کی ہے۔

۹۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ''جس کی موت اس حال میں واقع ہوئی کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

ناصر الدین البانی کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور یہ حدیث شیعوں اور قادیانیوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ا ص ۳۵۴)

۱۰۔ تبلیغی نصاب فضائل حج میں حضرت آدم کے نبی ﷺ کے طفیل دعا کرنے کی ایک عجیب وغریب روایت نقل ہوئی ہے:

''حاکم نے روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح بتایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا صادر ہوئی، تو انہوں نے اللہ جل شانہ سے حضور کے طفیل دعا کی۔اللہ جل شانہ نے دریافت کیا کہ آدم تم نے کیسے جانا؟ ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا، تو حضرت آدم نے عرض کیا یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی، تو میں نے عرش کے ستونوں پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا، تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ، جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب اس کے طفیل تم نے

مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کردی‘‘۔ (فضائل حج ص ۱۱۵)

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام ذہبی نے اسے خبر باطل قرار دیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۳۸)

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حاکم کی اس حدیث کو منکر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے میں حاکم نے خود اپنی کتاب المدخل میں لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے۔ علماء حدیث کہتے ہیں کہ حاکم ایسی حدیثوں کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں، جو محدثین کے نزدیک موضوع اور جھوٹی ہوتی ہیں۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۵۴)

اس روایت کا باطل ہونا اس کے متن سے بھی ظاہر ہے، کیونکہ قرآن کریم میں حضرت آدم کی جو دعا توبہ کے طور پر بیان ہوئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْ حَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (اعراف ۲۳)

’’اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہیں بخشا اور رحم نہیں فرمایا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔‘‘

اس دعا میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت آدم نے اپنی بخشش کیلئے محمد ﷺ کا واسطہ دیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا، تو قرآن اتنی اہم بات کا ذکر کیسے نہیں کرتا؟ اس لئے یہ روایت قرآن کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اور جن لوگوں نے واسطوں اور وسیلوں کی بدعت نکالی ہے، وہ اس قسم کی روایت کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کو نہ قرآن میں حجت ملتی ہے اور نہ سنت ثابتہ میں، بلکہ ضعیف اور موضوع حدیثوں ہی میں حجت مل جاتی ہے۔

۱۱۔ تبلیغی نصاب فضائل حج میں منذری کی کتاب ترغیب کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ’’حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کئے ہیں۔‘‘

(فضائل حج ص ۳۵)

اس کا ایک راوی قاسم بن عبدالرحمٰن ہے، جس کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے۔ (یعنی لائق اعتبار نہیں) اور ابوزرعہ کہتے ہیں وہ منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور اس کے دوسرے راوی عباس بن فضل انصاری کے بارے میں علامہ البانی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے اور ابوزرعہ اسے متہم قرار دیتے ہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۳۰۳)

قرآن حضرت ابراہیم کو کعبہ کے معمار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ حضرت آدم کے زمانے میں خانۂ کعبہ کا وجود کہاں تھا جو حج کرتے۔ حضرت آدم کا ہندوستان میں اتارا جانا بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور یہ بات تو ایک معجزہ ہی ہو سکتی ہے کہ وہ ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کریں۔ جبکہ معجزہ کے ثبوت کے لئے راویوں کا ثقہ ہونا ضروری ہے۔ غیر معتبر راویوں کے بیان کرنے سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ روایت بالکل موضوع اور منکر ہے۔

۱۲۔ ’’قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے۔ جو حصہ حضور کے بدن سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے حتیٰ کہ آسمان و زمین کی ہر جگہ سے افضل ہے۔‘‘ (تبلیغی نصاب فضائل حج ص ۱۰۹)

اتنا بڑا دعویٰ بلا دلیل کر دیا گیا۔ یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں۔ پھر مؤلف کو کیسے معلوم ہو گئی؟ کیا دین کے معاملہ میں ایسی اٹکل پچو باتیں کہنا جائز ہے؟ قبر کی جگہ کا کعبہ سے اور عرش و کرسی سے افضل ہونا کھلی مبالغہ آرائی ہے۔ اور بالبداہت غلط ہے۔ ایسی باتیں کہنے سے احتراز کرنا چاہئے، جو نبی کے رتبہ کو خدا سے بڑھا دینے والی ہوں۔

۱۳۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے۔ اور جو شخص جمعہ کے دن اسّی دفعہ مجھ پر درود بھیجے اس

کے اسّی سال کے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔(تبلیغی نصاب فضائل درود شریف ص ۴۰)

مؤلف لکھتے ہیں'' علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں اس حدیث کو متعدد روایات سے،جن پر ضعف کا حکم بھی لگایا ہے،نقل کیا۔''

یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے موضوع ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۲۵۱)

اس حدیث کا موضوع ہونا اس کے مضمون سے ظاہر ہے۔کیونکہ اس میں جمعہ کے دن اسّی دفعہ درود بھیجنے کا اجر یہ بتلایا گیا ہے کہ اسّی سال کے گناہ معاف کردئے جائیں گے جبکہ قرآن کہتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام ۱۶۰)

'' جو ایک نیکی لےلیکر آئے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے۔''

اور صحیح حدیث میں ایک مرتبہ درود بھیجنے کا اجر دس گنا بتلایا گیا ہے:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ عَشْرًا (مسلم)

'' جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔''

ثواب میں مبالغہ آرائی ضعیف اور موضوع حدیثوں ہی کی خصوصیت ہے۔اور ایسی حدیثوں کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنانا صحیح نہیں۔اس سے دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے اور آدمی اپنے اصل فرائض کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔

۱۴۔تبلیغی نصاب میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔'' حضرت ابوہریرہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچادیا جاتا ہے''۔ (فضائل درود شریف ص ۱۸)

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔اس کے راوی محمد بن مران سدی کے بارے میں ابن نمیر نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔اور نسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے۔

(کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۳۰۳)

اور علامہ البانی نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے اور لکھا ہے کہ صحیح حدیث میں صرف یہ بات بیان ہوئی ہے کہ، جو شخص آپ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود آپ تک پہنچادیا جاتا ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۲۰۳)

۱۵۔مسند ابویعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہ،حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ'' وہ ذکر خفی، جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے۔جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کراماً کاتبین اعمال نامے لے کر آئیں گے،تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہے؟ وہ عرض کرینگے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو،تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں اور وہ ذکر خفی ہے''۔(تبلیغی نصاب فضائل ذکر ص ۴۳)

اس حدیث کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھئے اس کا باطل ہونا بالکل واضح ہوجائے گا۔سورہ انفطار میں فرمایا گیا ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔

'' تم پر نگراں مقرر ہیں کراماً کاتبین وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔''

مگر مذکورہ حدیث بتاتی ہے کہ ذکر خفی کراماً کاتبین سے بھی مخفی رہ جاتا ہے۔اور سورۂ کہف میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمالنامہ کو دیکھ کر کہیں گے:

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا

'' یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے کوئی چھوٹی بڑی چیز چھوڑی نہیں بلکہ ہر چیز کو درج کرلیا۔''

اس طرح قرآن صراحت کے ساتھ بتلاتا ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اعمالنامہ سے غائب ہونے والا نہیں ہے۔لیکن مذکورہ حدیث بتلاتی ہے کہ ذکر خفی اعمالنامہ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا اور لکھنے والے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں تھی۔ایسی حدیث کو موضوع اور باطل نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟

۱۶۔ مقام محمود کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

''اور بعض نے کہا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو قیامت کے دن عرش پر اور بعض نے کہا کرسی پر بٹھانے کو کہا ہے''۔ (فضائل درود شریف ص ۴۶)

یہ بات جس نے بھی کہی ہے بڑی جسارت کے ساتھ بدترین جھوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ نبی ﷺ کی فضیلت میں اس حد تک غلو کہ آپ کو عرش و کرسی پر بٹھا دیا جائے، بڑی گستاخانہ بات ہے،اور اس سے عقیدہ توحید مجروح ہو جاتا ہے۔تعجب ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں اس قسم کی بے سروپا روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ جب عقیدہ ہی کی اصلاح نہیں ہوگی تو اور کیا اصلاح ہو سکے گی؟ایسی باتیں تو تردید ہی کی غرض سے نقل کی جاسکتی ہیں نہ کہ تبلیغ کی غرض سے۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ قول کی مدلل تردید کی ہے اور اخیر میں لکھا ہے''پس ثابت ہوا کہ یہ قول نہایت گھٹیا اور مردود ہے۔اس کی طرف وہی شخص مائل ہو سکتا ہے،جس کے پاس نہ عقل ہو اور نہ دین۔واللہ اعلم۔'' (تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۳۲)

اصل میں یہ قول مجاہد کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، جو مشہور تابعی اور مفسر ہیں۔وہ یہ بیہودہ بات کس طرح کہہ سکتے تھے؟مگر غلو پسند راویوں نے جھوٹ گڑھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا۔لیکن تفسیر طبری میں یہ روایت عباد بن یعقوب اسدی کے واسطے سے بیان ہوئی ہے۔ (تفسیر طبری ج ۸ ص ۹۸)

اور عباد بن یعقوب اسدی کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ غالی شیعہ اور بہت بڑے بدعتی تھے۔اسماء الرجال کی کتاب تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے ابن عدی کا قول نقل کیا ہے کہ عباد کے اندر شیعیت کا غلو تھا۔اور وہ فضائل میں منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔اسی طرح ابن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ وہ رافضی تھے اور منکر روایتیں مشہور راویوں سے بیان کرتے تھے،اسلئے قابل ترک ہیں۔(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۰۹)

واضح ہوا کہ مذکورہ روایت اسناد کے لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے اور بالبداہت غلط۔ایسی روایتوں اور ایسے اقوال کو بلا تنقید عوام کے سامنے پیش کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

ضعیف حدیث:

فنِ حدیث کے علماء نے حدیث ضعیف کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ''ہر وہ حدیث ضعیف ہے جس میں نہ حدیث صحیح کی صفات پائی جاتی ہوں اور نہ حدیث حسن کی۔''

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰)

راوی کی طرف سے حفظ وضبط میں کمی،اس کا ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف روایت کرنا،اس کے عادل ہونے میں اشتباہ اور سلسلہ روایت میں انقطاع وغیرہ،وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔ضعیف حدیث کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے ایک حدیث مرسل ہے۔اور حدیث مرسل وہ ہے جس کو کسی تابعی نے صحابی کے واسطہ کے بغیر نبی ﷺ سے بیان کیا ہو۔اس کے بارے میں امام مسلم نے صحیح کی تمہید میں لکھا ہے کہ:

''مرسل ہمارے اور علمائے حدیث کے نزدیک حجت نہیں ہے۔''

اصل میں ضعیف حدیث وہ ہے جسکی صحت مشکوک ہو۔ایسی حدیث سے نہ کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ دین میں حجت ہے۔مگر علماء کا ایک گروہ فضیلت کے باب میں ضعیف حدیثیں نقل

کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک ایسی حدیثیں ترغیب کے لئے مفید ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قبولِ حدیث کے معاملہ میں اس بے احتیاطی نے دین اور ملت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔

اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ اس کو جاننے کا نہایت محکم ذریعہ قرآن ہے، پھر سنت ثابتہ یا احادیث صحیحہ۔ رہ گئیں وہ روایتیں جن کی نسبت نبی ﷺ کی طرف مشکوک ہے، اسناد کے اعتبار سے یا متن (نفسِ مضمون) کے اعتبار سے، ان سے نہ سنت ثابت ہوتی اور نہ حجت قائم ہوتی ہے۔ اور نہ ہی دین میں ان کا کوئی مقام ہے۔ پھر ایسی حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ یہ ارشاداتِ رسول ہیں، دین کے لئے کمزور بنیادیں تلاش کرنے اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنا دینے کا باعث ہے۔ اس سے بدعات کے لئے راہیں کھلتی ہیں اور ملت کے اندر فرقہ بندی اور طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے۔

فضائل اعمال کا بھی دین میں ایک مقام ہے، اس لئے ضروری ہے کہ دین میں جس چیز کا جو مقام ہے اس کو اسی مقام پر رکھا جائے۔ اگر کسی چیز کو گھٹایا یا بڑھایا گیا، تو توازن بگڑ جائے گا اور دین کے مختلف اجزاء کے درمیان وہ ربط اور وہ ہم آہنگی باقی نہ رہے گی، جو شارع کے پیش نظر رہی ہے۔ لہٰذا جب شرعی احکام کے سلسلہ میں ضعیف حدیثوں کو ماخذ بنانا صحیح نہیں ہے، تو فضائل اعمال کے سلسلہ میں ان کو ماخذ بنانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

علوم الحدیث کے مصنف ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

''دینِ اسلام میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث، کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کے لئے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جاسکتی۔ (حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے) اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فضائل، شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے

ستونوں پر رکھی گئی ہو، جو بالکل کمزور اور قوت و استحکام سے یکسر عاری ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثوں کو معمول بہ بنا سکتے ہیں، اگر وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جن کو آسانی ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے۔۔۔۔۔

ہمارے پاس احادیث حسن و صحیح کی احکام شرعیہ اور فضائل میں اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ عدم تسلیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب و ضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا اور ہمیں کبھی بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہوسکے گا۔ اور اسی شک و شبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ دینی امور میں یقین و اذعان کی ضرورت ہوتی ہے۔ (علوم الحدیث اردو ترجمہ غلام احمد حریری ص ۲۷۵)

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس معاملہ میں عام طور سے سہل انگاری برتی گئی اور بڑی فراخی سے ضعیف حدیثوں کو قبول کیا جاتا رہا ہے۔ اور آج صورت حال یہ ہے کہ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ضعیف حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں جن باتوں پر وعید (عذاب کی دھمکی) سنائی گئی ہے، ان کو اصلاحی اور تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کرنا اتنا ضروری نہیں سمجھا جاتا، جتنا ضروری فضائل والی حدیثوں کو سمجھا جاتا ہے۔ خواہ وہ حدیثیں باعتبار اسناد اور باعتبار مضمون کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

حدیث کی جن کتابوں کا شمار تیسرے یا چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے۔ یعنی جن میں الم غلم ہر قسم کی روایتیں جمع کی گئی ہیں، وہ صوفی اور واعظ حضرات کا اصل ماخذ اور مرجع ہیں۔ مثلاً طبرانی، بیہقی، ابن مردویہ، ابونعیم دیلمی اور ابن عساکر وغیرہ۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۵۹۔۶۰)

حقیقت یہ ہے کہ ضعیف اور موضوع (من گھڑت) روایتوں کے چلن نے دین کا حلیہ ہی بگاڑ

دیا ہے۔قرآن نے جتنا زور عمل صالح پر دیا ہے اور امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے، اس کے برعکس فضائل اعمال کی غلو آمیز اور غیر مستند روایتیں، ایک معمولی نیکی پر جنت کا پروانہ ہاتھ میں تھما دیتی ہیں۔

ضعیف حدیث کی مثالیں:

یہاں ہم ضعیف حدیث کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ترغیب وترہیب کے لئے ان کو پیش کرنا کتنا غلط ہے:

مَنْ زَارَقَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی''۔

(تبلیغی نصاب۔فضائل حج ص ۹۶)

یہ حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور بیہقی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(کشف الخفاء۔للشیخ العجلونی ج ۲ ص ۲۴۴)

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''آپ کی قبر کی زیارت سے متعلق تمام حدیثیں ضعیف ہیں۔دین کے معاملہ میں ان میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔اسی لئے اصحاب صحاح وسنن نے ان میں سے کوئی حدیث نقل نہیں کی۔ان کو ضعیف حدیثیں نقل کرنیوالوں ہی نے روایت کیا ہے، جیسے دار قطنی اور بزار وغیرہ''۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۳۴)

اور محمد ناصر الدین البانی نے تو اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(ضعیف الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۰۲ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۶۴)

سوال یہ ہے کہ اگر یہ ارشادِ رسول ہوتا، تو اتنے اہم ارشاد سے ثقہ راوی کس طرح ناآشنا ہو سکتے

تھے؟ ایک ایسی حدیث جس کی تائید نہ قرآن سے ہوتی ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے، وہ ضعیف راویوں ہی کو کس طرح مل گئی؟ واقعہ یہ ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں قرآن نے نہایت سخت شرائط بیان کی تھیں، لیکن ضعیف حدیثوں نے ان کو بالکل نرم کر دیا۔

۲۔ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ** ''علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''

اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔چنانچہ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کا متن مشہور ہے، لیکن سند ضعیف ہے۔

(تمییز الطیب من الخبیث۔عبدالرحمٰن الشیبانی ص ۲۰۲)

اس کا ایک راوی حفص بن سلیمان ہے، جس کے بارے میں مقاصد حسنہ میں ہے کہ وہ بہت ضعیف ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس پر حدیث وضع کرنے اور جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے۔

(کشف الخفا۔شیخ عجلونی ج ۲ ص ۴۳)

امام احمد کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی بات ثابت نہیں۔(تذکرۃ الموضوعات ص ۱۷)

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں۔اور بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۵۸)

جہاں تک علم دین کا تعلق ہے، کتاب وسنت سے اس کا فرض ہونا ثابت ہے۔مثال کے طور پر قرآن کی پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ **اقرا باسم ربک الذی خلق**۔''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔'' اس آیت میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن پڑھو اور اس کا علم حاصل کرو۔اسی طرح قرآن میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اور ظاہر ہے اطاعت کیلئے دین اور شریعت کا علم ضروری ہے۔اس لئے اس کی فرضیت بالکل واضح ہے اور اس حدیث پر موقوف نہیں، جو اوپر بیان ہوئی اور جو اسناد کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

۳۔ حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لئے پیدل جائے اور آئے، اس کے لئے ہر ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ کسی نے عرض کیا کہ حرم کی نیکیوں کا کیا مطلب؟ حضور نے فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

ف۔ ''اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہو گئیں اور ہر ہر قدم پر یہ ثواب ہے تو سارے راستے کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔'' (تبلیغی نصاب فضائل حج ص ۳۴)

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ اسے طبرانی، حاکم اور بیہقی نے عیسیٰ بن سوادہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، لیکن امام ذہبی کہتے ہیں یہ صحیح نہیں، بلکہ مجھے راوی کے جھوٹا ہونے کا شبہ ہے۔ اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ ضعیف ہے اور اس نے نبی ﷺ سے منکر حدیث روایت کی ہے۔ حافظ منذری نے اس کے بارے میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ اور ابن معین کہتے ہیں وہ کذّاب ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۱ ص ۵۰۱۔۵۰۲)

۴۔ **كَانَ اِذَا صَلّٰى مَسَحَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى رَاْسِهٖ وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّى الْهَمَّ وَالْحُزْنَ۔**

یعنی ''جب آپ نماز سے فارغ ہوتے، تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرتے اور کہتے اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے، جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، خدایا پریشانی اور غم کو مجھ سے دور کر دے۔''

علامہ البانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ اسے طبرانی اور خطیب بغدادی نے کثیر بن سلیم سے روایت کیا ہے۔ اس راوی کے بارے میں بخاری اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ میں منکر ہے۔ اور نسائی نے کہا ہے کہ متروک ہے۔ اس حدیث کو ابن السنی اور ابو نعیم نے سلامہ کے واسطہ سے بھی راویت کیا ہے، لیکن یہ راوی جھوٹا ہے اور حدیث موضوع ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ج ۲ ص ۲۱۴)

۵۔ **عن عائشة قالت : فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ؟ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ، فَقَالَ : اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔**

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو موجود نہیں پایا، اس لئے میں باہر نکل گئی۔ دیکھا کہ آپ بقیع (قبرستان) میں ہیں۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے یہ اندیشہ محسوس کیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان کی شب کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ تعداد میں مغفرت فرماتا ہے''۔

یہ حدیث ترمذی نے جس سلسلۂ اسناد کے ساتھ بیان کی ہے وہ یہ ہے:

''ہم سے احمد بن منیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں حجاج بن ارطاۃ نے خبر دی، وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں، وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں''۔

اس حدیث کو نقل کر کے ترمذی نے لکھا ہے کہ:

حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ہم اسی اسناد سے جانتے ہیں، جس کے راوی حجاج ہیں۔ اور میں نے محمد (یعنی بخاری) کو سنا، وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے نہیں سنا ہے۔ نیز بخاری کہتے ہیں حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا ہے۔ (ترمذی ابواب الصوم)

یعنی یہ حدیث اپنی اسناد کے لحاظ سے دو جگہ منقطع ہے۔ ایک حجاج اور یحییٰ کے درمیان اور

دوسرے یحییٰ اور عروہ کے درمیان۔اس لئے اس سے یہ واقعہ اور ارشاد رسول ثابت نہیں ہوتا۔ ترمذی نے اس کو نقل تو کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے ضعیف ہونے کی صراحت بھی کی ہے۔

اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ حضرت عائشہ کا تنہا رات دیر گئے قبرستان جانا قرین مصلحت نہیں۔اور آپ کا حضرت عائشہ سے یہ سوال کرنا کہ کیا تمہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اللہ اور رسول تمہاری حق تلفی کریں گے۔ایک ایسا سوال ہے جس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ حضرت عائشہ یہ تو خیال کر سکتی تھیں کہ آپ کسی ضرورت سے اپنی دوسری ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے، لیکن اس میں اللہ کی طرف سے حق تلفی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے، جو حضرت عائشہ اس بدگمانی میں مبتلا ہوتیں؟ پھر اگر پندرہویں شعبان کی شب ایسی ہی فضیلت والی ہوتی کہ اس میں لاتعداد مُردوں کی بخشش ہو جاتی ہے، تو آپ پہلے ہی لوگوں کو بتا دیتے، تاکہ وہ اس شب میں عبادت وغیرہ کا اہتمام کرتے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ اس فضیلت والی شب سے اپنے اصحاب کو باخبر نہ کریں، یہاں تک کہ حضرت عائشہ کو بھی اس کی خبر نہ ہو، اور اتفاق سے جب وہ قبرستان جائیں تو انہیں اس کا پتہ چلے؟ اس قسم کے معمے ضعیف حدیثیں ہی پیدا کرتی رہتی ہیں۔سنت رسول ہمیشہ روشن ہوتی ہے اور دلوں میں یقین پیدا کرتی ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت میں کتب احادیث میں متعدد حدیثیں بیان ہوئی ہیں، مگر سب ضعیف ہیں۔کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔اسی لئے ایسی حدیثیں بخاری اور مسلم میں جگہ نہ پا سکیں۔جب ضعیف حدیث حجت ہی نہیں ہے تو یہ فضیلت ثابت کہاں سے ہوئی؟ اگر یہ شب فضلیت کی شب ہوتی تو صحابہ کرام میں اس کا چرچا ہوتا اور مشہور اور ثقہ راوی اسے روایت کرتے۔اتنی اہم بات جس کا عام چرچا ہونا چاہئے تھا صرف ضعیف راویوں کو کیسے معلوم ہو گئی! اور اب تو مسلمانوں نے ان ضعیف روایتوں کا سہارا لیکر شب برأت کو باقاعدہ تہوار کی شکل دیدی

ہے!! ضعیف حدیثوں کے معاملہ میں نرمی برتنے سے کیسی کیسی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں!!!

واضح رہے کہ پندرہویں شعبان سے متعلق یہ حدیث بھی ضعیف ہے کہ یہ شب عبادت میں گزارو اور دن کو روزہ رکھو۔ملاحظہ ہو۔(تذکرۃ الموضوعات ص ۴۵ اور تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۴۴۲)

موضوع اور ضعیف حدیثوں پر کتابیں:

عربی میں موضوع اور ضعیف حدیثوں پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں ان کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس سلسلہ کی چند مشہور کتابوں کی نام درج ذیل ہیں:

(۱) کتاب الموضوعات۔ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) (۲) المقاصد الحسنۃ۔سخاوی (م ۹۰۲ھ) (۳) اللآلی المصنوعۃ۔جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۴) تذکرۃ الموضوعات۔محمد طاہر ہندی (م ۹۸۶ھ) (۵) تمییز الطیب من الخبیث۔ شیبانی (۶) موضوعات کبیر۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) (۷) کشف الخفاء۔العجلونی (م ۱۱۶۲ھ) (۸) الفوائد المجموعۃ۔ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)

موجودہ زمانہ کے مشہور محدث محمد ناصر الدین البانی (دمشق) نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ شائع کر کے بڑی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔اس کی دو جلدیں اب تک ہماری نظر سے گزری ہیں، جو المکتب الاسلامی بیروت سے شائع ہوئی ہیں۔اور ان میں موضوع اور ضعیف حدیثوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔اسکے علاوہ موصوف نے ''ضعیف الجامع الصغیر'' میں ضعیف حدیثوں کی نشاندہی کی ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے، اس موضوع پر غالباً کوئی کتاب لکھی نہیں گئی۔اور یہ اردو لٹریچر میں بہت بڑی کمی ہے۔البتہ حال ہی میں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے ''فتنۂ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان'' کے نام سے مولانا محمد سعود عالم قاسمی کی کتاب شائع ہوئی ہے جو قابلِ قدر اور

لائق مطالعہ ہے۔

امتِ مسلمہ کی ذمہ داری:

امتِ مسلمہ کی تشکیل دینِ حق پر ہوئی ہے اور اس کا مقصدِ وجود شہادتِ حق ہے۔

وکذٰلک جعلنا کم اُمّۃ وَسطاًلتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ (بقرہ۔۱۴۳)

''اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو''

اور حق وہ ہے جس کو کتاب وسنت نے پیش کیا ہے۔ اس لئے کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے کاموں میں ان کو پیش کرنے، ان کے معنی ومفہوم کو واضح کرنے اور ان سے گہرا لگاؤ اور مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا، امت مسلمہ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اور دین کو بے کم وکاست اسی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے، جب موضوع اور ضعیف حدیثوں، بے سروپا روایتوں، بزرگوں کی طرف غلط طور سے منسوب کی گئی کرامتوں اور خوابوں سے اس کو محفوظ رکھا جائے۔

محدثین نے حدیث کی تدوین کے پیش نظر صحیح، حسن اور ضعیف حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا تھا، تا کہ تحقیق کرنے والوں کے لئے مواد اکٹھا ہو۔ انہوں نے ہر حدیث کی اسناد بھی بیان کر دی ہیں۔ اور ترمذی وغیرہ نے تو حدیث کے صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کی بھی صراحت کی ہے۔ انہوں نے یہ ضعیف حدیثیں اپنی کتابوں میں شامل کی تھیں، تا کہ تحقیق کرنے والے مزید تحقیق کریں۔ ہوسکتا ہے ایک ضعیف حدیث دوسرے راویوں کے ذریعہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اب جو لوگ امت کے بگاڑ کے پیش نظر اصلاح اور دعوت وتبلیغ کے کام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، ان کا کام یہ نہیں ہے کہ چن چن کر ضعیف حدیثیں جمع کریں اور بلا لحاظ اس کے، کہ وہ قرآن وسنت سے

ہم آہنگ ہیں یا نہیں، عوام کے سامنے پیش کریں۔ یہاں تک کہ موضوع حدیثیں پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

خطیب بغدادی نے جن کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے، حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری برتنے والوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔ ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' ان کی مشہور کتاب ہے، جس کا شمار فن حدیث کی اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''اس زمانہ میں اکثر طالبین حدیث کا یہ حال ہے کہ حدیث کی مشہور کتابوں کے بجائے، غیر معروف کتابوں کا ان کے ذہن پر غلبہ ہو گیا ہے۔ معروف حدیثوں کو چھوڑ کر منکر حدیثوں کو سنتے ہیں، مجروح اور ضعیف راویوں کی روایتوں میں، جن میں سہو اور غلطیاں پائی جاتی ہیں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے اکثر کے نزدیک صحیح چیز قابل اجتناب بن گئی ہے اور جو ثابت ہے، وہ دوری کا باعث۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ راویوں کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ ان میں اس صلاحیت کی بھی کمی ہے، جو تمیز کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اور اس علم کو حاصل کرنے سے بھی بے نیاز ہیں۔ ان کا یہ طریقہ اس طریقہ کے بالکل خلاف ہے، جو ہمارے اسلاف میں سے ممتاز شخصیتوں اور ائمہ محدثین کا رہا ہے۔''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۱۸۸)

Printed at:
Pixel Art Printers f/19 Match Factory
Kurla West Mumbai 400070
Mobail: 9820790615